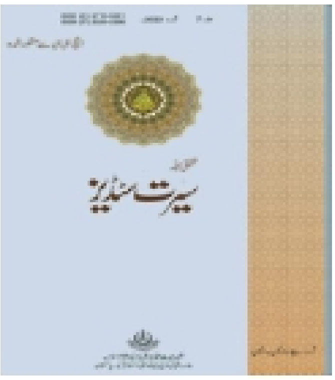

Seerat Studies Research Journal

eISSN: 2710-5261, pISSN: 2520-3398

Publisher:Department of Seerat Studies

Faculty of Arabic & Islamic Studies

Allama Iqbal Open University, Islamabad

Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jss

Vol.08 Issue: 08 (January-December 2023)

Date of Publication: 25-December 2023

HEC Category (July 2022-2023): Y

https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jss

Article	سیرت نگاری میں ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی تنقیدات (تصحیحِ روایات) کا تجزیاتی مطالعہ *An Analytical Study of Criticisms (about correction of narrations) of Dr. Yaseen Mazhar Siddiqui in Seerah Writing*
Authors & Affiliations	**1. *Iqra Khalid*** *PhD Scholar, Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot.* *iqrakhalid7575@gmail.com* **2. *Dr. Syeda Sadia*** *Assistant Professor, Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot* *sayedasadia@yahoo.com*
Dates	***Received*** 15-04-2023 ***Accepted*** 15-07-2023 ***Published*** 25-12-2023
Citation	Iqra Khalid and Dr. Syeda Sadia, 2023. سیرت نگاری میں ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی تنقیدات (تصحیحِ روایات) کا تجزیاتی مطالعہ [online] IRI - Islamic Research Index - Allama Iqbal Open University, Islamabad. Available at: https://iri.aiou.edu.pk [Accessed 25 December 2023].
Copyright Information	سیرت نگاری میں ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی تنقیدات (تصحیحِ روایات) کا تجزیاتی مطالعہ @2023 by Iqra Khalid & Dr. Syeda Sadia is licensed under Attribution-Share Alike 4.0 International
Publisher Information	Department of Seerat Studies , Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad https://aiou.edu.pk/

Indexing & Abstracting Agencies

IRI(AIOU)	HJRS(HEC)	Tehqiqat	Asian Indexing	Research Bib	Atla Religion Database (Atla RDB)	Scientific Indexing Services (SIS)

سیرت نگاری میں ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کی تنقیدات (تصحیح روایات) کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Criticisms (about correction of narrations) of Dr. Yaseen Mazhar Siddiqui in Seerah Writing

Abstract

Dr. Yaseen Mazhar Siddiqui, is a well-known seerah writer and historian. He wrote many books and articles in this respect. In his writings, he has exposed the prevailing wrong ideas and theories related to the Prophet's biography. There are many incidents and cases which are very famous and true in generally but Dr. Yaseen proved them wrong through his research. He presented his arguments regarding incidents which seem very difficult to ignore or deny, because those arguments are so universal and common sense that even a common man is forced to accept them. In this article we are presenting analytical study of some of these incidents theories.

Key words: seerah, wrong, arguments, reseach, incidents

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کو سیرت نگاری کے میدان میں اہم مقام حاصل ہے۔آپ بنیادی طور پر ایک مورخ تھے۔ چونکہ سیرت نگاری کی بنیاد بھی تاریخ کا ایک حصہ ہے اس لیے انہوں نے سیرت نگاری اور عرب تہذیب و تمدن کے پوشیدہ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا کام کیا۔ان کا اسلوب عام سیرت نگاروں سے اس اعتبار سے منفرد ہے کہ انہوں نے تاریخی تحقیق کے اصولوں کا اطلاق سیرت مطہرہ پر کیا۔آپ کی سیرت نگاری میں اسلوب تحقیق منفرد اور جداگانہ ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے پہلو اگرچہ مصادر میں متفرق طور پر موجود تھے لیکن انہیں اس مخصوص ترتیب میں جمع کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی جس ترتیب کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت مستشرقین کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کے نتیجے میں بھی پیدا ہوئی۔ مثال کے طور پر مکی دور میں سیرت طیبہ کے بہت سے پہلوؤں پر اس انداز سے کام نہیں کیا گیا جس انداز سے کام کرنے کی ضرورت تھی۔ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی نے اپنی کتب میں اس بات کا بارہا ذکر کیا کہ "مسلم مورخین اور مؤلفین اسلامی تہذیب و تاریخ کو زمانی ترتیب سے پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور وہ واقعات و حادثات کا تجزیہ و تحلیل نہیں کرتے۔دراصل ان میں سے پیشتر حضرات اسلامی تہذیب و تمدن کے اصل مآخذ سے نابلد ہوتے ہیں اور تاریخ نویسی کے اصولوں سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اس لیے وہ اسلامی تاریخ و تہذیب کو اپنی معتصبانہ عینک اور اپنی پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اگرچہ وہ اسلامی تہذیب و تاریخ کو دانستہ مسخ نہیں بھی کرتے تو بھی ان کی نگاہ سیاہ پہلو پر ہی ٹکتی ہے اور وہ نادانستہ طور پر تاریخ کو مسخ کر دیتے ہیں۔"[1]

اس امر کی اصلاح اور اس تحقیق طلب پہلو پر کام کے لیے آپ نے کئی اہم واقعات تاریخ و سیرت کو موضوع سخن بنایا۔اور سیرت نگاری میں مروج غلط نظریات و خیالات کی بیخ کنی کی ہے۔ذیل میں اس کے چند مثالیں بیان کر کے ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

- **رضاعت کے لئے دیہاتوں اور بدوی علاقوں میں بھیجا جانا**

ڈاکٹر یٰسین لکھتے ہیں کہ:

''شرفائے مکہ و قریش کے ہاں یہ ایک دستور پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے نومولود بچوں کو رضاعت اور پرورش کے لئے دیہاتوں، بدوی علاقوں اور صحت گاہوں کی طرف بھیج دیا کرتے تھے۔ تاکہ اچھی اور صاف آب و ہوا کی وجہ سے ان کی صحت اچھی ہو اور اس کے علاوہ بدوی لوگوں کی عربی زبان فصاحت و بلاغت میں شہریوں سے بہتر ہوتی تھی، بچے اس کو بھی سیکھ لیں۔ قدیم و جدید بیانات اور روایات بلاشبہ بدوی علاقوں اور دیہاتی قبیلوں میں نومولود کی رضاعت کو ثابت کرتی ہیں، مگر وہ صرف ایک جہت ہی ہے اسی قدر بیانات اور ان سے زیادہ شواہد اور دلائل شہری رضاعت کو بتاتے ہیں''[2]

اس کے متعلق جب قدیم ماخذ کا جائزہ لیا گیا تو رضاعت کی نہ تو کوئی وجہ بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اسے دستور عرب قرار دیا گیا ہے۔ سیرت ابن ہشام کے شارح امام سہیلی نے البتہ رضاعت کے اسباب بیان کئے ہیں جن میں نومولود کی جسمانی صحت، لسانی فصاحت کے علاوہ ایک تیسرا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بیویاں شوہروں کے لئے فارغ ہو جائیں۔

البتہ جدید ماخذ میں اصح السیر اور سیرت مصطفی میں رضاعت کو شرفائے قریش کا دستور قرار دیا ہے[3]۔ الرحیق المختوم میں اسے شہری باشندوں کا دستور قرار دیتے ہوئے اس کا سبب بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنا قرار دیا ہے[4]۔ سیرت سرور عالم میں شرفائے عرب کا دستور کہہ کر اس کے اسباب میں عمدہ آب و ہوا اور خالص عربی لکھا ہے[5]۔ امام شبلی بھی دستور قرار دے کر وجوہات میں امام سہیلی کا حوالہ دیتے ہیں کہ فصاحت کا جوہر پیدا ہو۔[6]

ڈاکٹر یٰسین حضرت ثویبہ کی رضاعت کی مکانی جہت سے یہ ثابت کرتے ہیں عرب شرفاء کا یہی دستور نہیں تھا کہ وہ رضاعت کے لیے بدوی علاقوں میں ہی بھیجا کرتے تھے، وہ شہر اور مکہ و مدینہ وغیرہ میں بھی رضاعت کا انتظام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی رضاعت سے شرفاء کا یہ دستور بھی ملتا ہے۔ متعدد نونہالان عرب کی پرورش و پرداخت اور رضاعت و تربیت شہری علاقوں میں ہوئی تھی اور بہت اچھے سے ہوئی تھی۔ ان کے قطعی اثرات بد نہ تھے۔ متعدد شہری رضاعت سے مستفید افراد ہر لحاظ سے عربیت کے علمبردار تھے۔ اس کے علاوہ تیسرا سبب کے بیویاں شوہروں کے لیے فارغ ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں یہ توجیہ قطعی بودی ہے کیونکہ والدہ ماجدہ بیوہ تھیں۔ اہل سیر کا اتفاق اور اجماع ہے کہ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات ولادت نبوی سے دو ماہ قبل ہو چکی تھی لہذا شوہر کے لیے بیوی کو فارغ کرنے والی بات بالکل صحیح نہیں کم از کم رسول اللہ ﷺ کے معاملہ رضاعت میں۔ اور دوسرے رضاعی معاملات و واقعات میں بھی وہ صرف ایک توجیہ ہی ہے۔[7]

الغرض ڈاکٹر یٰسین خود بھی اس کو دستور عرب ہی قرار دیتے ہیں[8] یہ ایک ایسی روایت تھی جس کی زد میں سبھی تھے حتیٰ کہ لڑکیوں کو بھی رضاعت کے لئے رضاعی ماؤں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ کی خارجی رضاعتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ شہری اور بدوی دونوں رضاعتیں شامل تھیں بدوی رضاعتوں پر زور اس لئے زیادہ ملتا ہے کہ وہاں کی آب و ہوا صاف و شفاف ہوتی تھی۔ اور بدویت عربیت کے ہم معنی بن گئی تھی۔ زبان عربی کی فصاحت و بلاغت کا بدوی معیار زیادہ اونچا سمجھا جاتا تھا۔ صحت و جسمانی قوت بھی ان سے آتی تھی۔ لیکن یہ سب اضافی تھیں۔ شہری رضاعتوں سے بھی یہ سب فوائد حاصل ہوتے تھے۔ تو گویا ڈاکٹر یسین کو اپنے اس دعویٰ میں تفرد حاصل

ہے کہ صرف دیہاتوں اور بدوی علاقوں میں ہی نہیں بھیجا جاتا تھا بلکہ شہروں میں بھی اسی طرح رضاعت کا معاملہ مروج تھا۔

- **حضرت ثویبہ باندی ابولہب**

حضرت ثویبہ کے متعلق عموماً روایات میں مذکور ہے کہ وہ آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی باندی تھیں اور بعض روایات کہ مطابق انھوں نے آپ ﷺ کی ولادت کی خبر چچا کو دی تو اسی خوشی میں ابولہب نے ان کو آزاد کر دیا۔ ڈاکٹر یسین اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی روایات صحیح نہیں ہیں۔ [9]

ان روایات کے لئے جب ماخذ قدیم کی طرف رجوع کیا گیا تو ابن کثیر نے حضرت ثویبہ کے بارے میں عروہ سے روایت کی ہے کہ ابولہب کی لونڈی جسے آزاد کر دیا گیا [10]۔ ابن خلدون نے آزاد کردہ لونڈی لکھا ہے۔ [11] ابن ہشام نے سرے سے ان کا ذکر ہی نہیں کیا۔ [12] جبکہ ماخذ جدید میں الرحیق المختوم میں ابولہب کی لونڈی، سیرت مصطفی میں آزاد کردہ کنیز، اصح السیر میں چچا کی لونڈی، سیرۃ النبی ﷺ میں صرف نام ثویبہ (سید سلیمان نے لونڈی کا اضافہ کیا ہے) سیرت سرور عالم میں ابولہب کی لونڈی کے الفاظ ہیں۔ [13] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم و بیش سبھی سیرت نگاروں نے ان کو لونڈی/ کنیز مانا ہے۔ ڈاکٹر یسین کے مطابق اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ لفظ "مولاۃ" کے مفہوم کو صحیح نہیں لیا سمجھا گیا۔ بالعموم مولاۃ کے معنی لونڈی، باندی اور کنیز کے لئے گئے ہیں جس کی وجہ سے آزادی ثویبہ کی روایات وجود میں آئیں۔ جبکہ ایک اور مفہوم مولاۃ- ولا سے –آزاد حیثیت سے ہے۔ عرب سماجی دستور کے ولا کے ذریعے کوئی غیر ملکی شخص یا طبقہ کسی با اثر شخص یا خاندان سے سماجی ارتباط کر کے اس کا موالی یا خلفاء بن جاتا تھا۔ جیسے کی ابن سعد، ابن اسحاق، ابن ہشام اور بلاذری وغیرہ نے رشتہ ولا و خلف کا ذکر ملتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ مولاۃ بمعنی لونڈی ہونے کا تصور اور آزاد ہونے کا واقعہ سب سے پہلے امام سیرت و حدیث عروہ بن زبیر نے بیان کیا ہے جسے امام بخاری نے حدیث کے تعلیقہ میں نقل کیا ہے۔ [14] اور تمام قدیم راویوں، سیرت نگاروں اور شارحین حدیث نے قول عروہ کو بھی حدیث مرفوع کی طرح قطعی اور صحیح سمجھا اور کسی نے اس قول و روایت کی تنقید کا خیال بھی نہ کیا اور ان کو مولاۃ کہنے کے ساتھ ان کی آزادی کی روایت بھی اپنے مرسل انداز میں کر دی۔

یہاں ڈاکٹر یسین امام ابن التین کے خیال کی حمایت کرتے ہیں کہ حضرت ثویبہ رشتہ ولا سے ابولہب کی مولاۃ تھیں۔ اور اس کی ایک دلیل میں تو امام بخاری کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری دلیل میں تاریخ طبری میں بیان کردہ حدیث مرفوع بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام بخاری نے انہی کی رشتہ ولا کے سبب اور انکی رضاعت موالات کی بنا پر کتاب النفقات میں ایک باب باندھا ہے۔ [15] اس باب کا ترجمہ اس بات کی تائید کرتا ہے۔ تاریخ طبری میں بیان کردہ حدیث مرفوع جو ایک صحابیہ حضرت برہ بنت ابی تجراۃ سے مروی ہے اس میں ان کو مولاۃ ابی لھب نہیں قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر یسین اس روایت کی حامی ہیں کہ ان صحابیہ کا تعلق بنو کندہ کے خاندان بنو تجراۃ سے تھا اور مکہ میں سکونت کے بعد بنو عبد الدار/قریش کے موالی/خلفاء بن گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حضرت ثویبہ کی ہم عصر بھی تھیں اس لئے وہ زیادہ جانتی تھیں۔ یہاں وہ مزید حافظ ابن سید الناس کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ بھی اسی روایت کے حامی ہیں۔

الغرض مولاۃ کے صحیح معنی و مفہوم نہیں سمجھا گیا۔ اور دوسرا حضرت عروہ بن زبیر کے قول و تبصرہ والی روایت کو لے لیا گیا ہے۔ حالانکہ صحابی کی روایت کو بہر حال مرسل روایت پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تاریخی، حدیثی اور

سیرتی روایات سے آنکھیں بند کر لی گئی ہیں جو کہ ان کو ایک آزاد شخصیت ثابت کرتی ہیں۔ حضرت ثویبہ باندی نہیں تھیں بلکہ قبیلہ اسلم کے ایک خاندان کی فرد تھیں اور مکہ میں قریش کے خاندان کے شیخ ابو لہب کی "مولاۃ" (ولا کے رشتے سے) حلیف تھیں۔ ان کے بارے میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ان کو صرف ابو لہب کی باندی کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک مولاۃ رہی تھیں جو کہ عرب میں ایک مروجہ دستور تھا مگر قریش مکہ کے کئی اکابر کو دودھ پلانے کے سبب وہ ایک مسلمہ دائی، دودھ پلانے والی بن گئی تھیں اور ان قریشی بچوں کی ماں کی حیثیت سے ان کا درجہ رضاعی ماں کا ہو گیا تھا۔ لوگ ان کا احترام کرتے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور ان کے گھر جاتے تھے۔[16]

- **انتخابِ حلیمہ سعدیہ**

سیرت امام ابن اسحاق کے منظر نامے میں حضرت حلیمہ سعدیہ کا بطور مرضعہ نبوی انتخاب تلاش مرضعات کے ضمن میں آتا ہے۔ ڈاکٹر یٰسین نقد کرتے ہیں:

"ابن اسحاق کا بلاسند بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنو سعد بن بکر کی ایک عورت کو رضاعت کے لئے منتخب کیا گیا جن کا نام حلیمہ تھا۔ حلیمہ
بنت ابی ذویب۔۔۔ امام سہیلی اور دوسرے شارحین اور مؤلفین نے ابن اسحاق کے اس بیان کو نقل کر دیا ہے مگر اس کی تشریح اور تفسیر کسی نے نہیں کی۔"

اس بیان کا سب سے اہم نکتہ جس کی طرف رہنمائی ڈاکٹر صاحب نے کی ہے وہ یہ ہے کہ دریتیم کا انتخاب حضرت حلیمہ کے لئے مجبوری تھا کیونکہ سعدی مرضعات نے آپ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے کی وجہ سے تمام ساتھی مرضعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت سے دامن کش ہو جاتی کیونکہ سب کو امید تھی کہ بچے کے باپ سے حسن معاوضہ ملے گا۔ یتیم بچے کی ماں اور دادا کیا حسن سلوک کریں گے؟ اس بنا پر ساری خواتین نے ناپسند کیا۔ لیکن جب ساتھ آنے والی تمام عورتوں کو رضاعت کے لئے بچے مل گئے اور بقول حلیمہ سعدیہ کے ان کو کوئی نہ ملا تو اپنے شوہر سے مشورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رضاعت کے لئے قبول کر لیا۔ ابن ہشام، سہیلی، بلاذری وغیرہ میں الفاظ کا فرق ہے مگر مفہوم یہی ہے۔

قدیم ماخذ میں دیکھا جائے تو ابن سعد کے مطابق حضرت حلیمہ بحالت مجبوری آپ ﷺ کو لیا تھا کہ کوئی اور بچہ نہ ملا تھا[17]۔ ابن ہشام اور ابن کثیر نے بھی ابن اسحاق والی روایت نقل کی ہے البتہ ابن کثیر کا اس سے قبل یہ فقرہ بھی ہے کہ "حضرت حلیمہ کا انتخاب ہوا" گویا یہ انتخاب ان کے دادا کی طرف سے تھا۔[18] یہاں دو متضاد باتیں سامنے آتیں ہیں کہ شروع کا فقرہ بتاتا ہے کہ حضرت حلیمہ کا انتخاب کیا گیا جبکہ بعد والی روایت ظاہر کرتی ہے کہ بحالت مجبوری منتخب کیا گیا۔ تاریخ طبری میں کوئی تذکرہ نہیں۔ جدید ماخذ میں انتخاب سے متعلق اصح السیر میں صرف اتنا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ ان کو لے گئیں۔[19] سیرت مصطفیٰ اور سیرت سرور عالم میں ابن ہشام کی کے حوالے سے روایت بیان کی گئی ہے جس سے انتخاب مجبوری ظاہر ہوتا ہے۔[20] البتہ الرحیق المختوم میں ہے کہ عبد المطلب نے ہی تلاش کی اور حضرت حلیمہ کے حوالے کیا مگر ساتھ ہی وہ ابن اسحاق والی روایت بھی بیان کر دیتے ہیں جس میں انتخاب مجبوری ہے۔[21]

ڈاکٹر یسین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت حلیمہ کی تلاش بھی دادا نے ہی کی اور ان کو منتخب بھی دادا نے ہی کیا تھا۔ ان کے نزدیک روایتی اور درایتی دونوں اعتبار سے روایت کے اس حصہ پر خاصہ شبہ ہے اور اسے غلط کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ

ابن اسحاق کا بیان ایک تو بغیر حوالہ کے ہے دوسرا امام سہیلی یا دوسرے شارحین نے ذکر تو کر دیا ہے مگر تفسیر و تشریح نہیں کی۔ بلاشبہ شیر خوار بچوں کی رضاعت کے لیے باپوں کا خرچ کرنا اور مرضعات کے ساتھ حسن سلوک کرنا عام قاعدہ ضرور تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در یتیم ہونے کے معنی قطعی یہ نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حال و منال بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے والد کے مال کے وارث تھے اور اس سے بڑھ کر آپ کے داد دادا عبد المطلب ہاشمی اکابر قریش میں دولت مند ترین افراد میں سے تھے اور اپنی صفات عالیہ اور محبت محمدی کے لیے معروف تھے۔ سعدی مرضعات کے مسترد کرنے کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبد المطلب ہاشمی کی دولتمندی بزرگی اور خاندان نبوت کی کفالت وغیرہ سے قطعی نابلد تھیں۔ یتیم کی حیثیت سے مسترد کئے جانے کی کہانی ان تاریخی حائق سے میل نہیں کھاتی۔

ڈاکٹر یاسین اس ضمن میں درایتی لحاظ سے امام حلبی کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں جو کہ انہوں نے ابن اسحاق کے بیان پر نقد کرتے ہوئے بیان کی ہے جس کے مطابق مرضعات کی تلاش اور انتخاب دونوں فعل عبد المطلب ہاشمی سے منسوب ہیں حضرت حلیمہ کی مجبوری سے نہیں۔[22]

- **ام ایمن کی خدمات والدہ کی وفات کے بعد**

حضرت ام ایمن کے متعلق لکھتے ہیں:

"بعض کتابوں سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ ام ایمن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور دیکھ بھال والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد کی تھی۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔"[23]

اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر یاسین فرماتے ہیں کہ حضرت ام ایمن رسول اکرم کی ولادت سے قبل ہی آپ کے والدین ماجدین کی خدمت کرتی تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرنے لگیں۔ اور آپ کی انا بن گئیں۔ یہ خدمت سعادت انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر رضاعت کے لیے جانے سے قبل بھی انجام دی اور جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو والدہ ماجدہ، دادا اور دوسرے عزیزوں سے ملانے لاتیں، تب بھی حضرت ام ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ پانچ سال کی عمر میں رضاعی ماں کے گھر سے آنے کے بعد آپ صلی اللہ وسلم کی مستقل انا تھیں۔ اور والدہ کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اس دعوے کی تصدیق کے لئے ابن سعد اور ابن قتیبہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں ثقہ راویوں اور اہل نظر کے واضح بیانات اور قرائن صحیحہ کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ حضرت ام ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ کرتی رہی تھیں، رضاعت حلیمہ سے قبل بھی اور بعد بھی۔

ڈاکٹر یسین نے بعض کتابوں کا تو کہا ہے مگر یہ صراحت نہیں کی کہ کونسی کتابیں ان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو بھی نقد کرتے ہیں اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں اور اس کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کا جائزہ لینے کے لئے ماخذ قدیم میں طبقات ابن سعد میں ام ایمن کا تذکرہ سفیان بن عقبہ کی روایت سے ہے جس کے مطابق ام ایمن بچپن میں انتہائی لطف و پیار سے پیش آتی تھیں اور آپ ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ایک اور روایت میں ام ایمن کے نبی صلعم کو گود میں کھلانے کا ذکر ہے۔[24] ماخذ جدید میں الرحیق المختوم میں ام ایمن کا تذکرہ والدہ کے ساتھ سفر مدینہ میں آیا ہے۔ اس سے قبل انھوں نے

آپ ﷺ کے والد کے ترکہ کے ضمن میں مختصر السیرۃ از شیخ عبداللہ، تلقیح المفھوم اور صحیح مسلم کے حوالے سے ذکر کیا کہ آپ ﷺ کو گود کھلایا تھا[25]

اصح السیر میں نبی کریم ﷺ کے خدام میں ان کا ذکر ہے۔ ان کو آپ ﷺ کی حاضنہ قرار دیا ہے۔[26] مولانا شبلی اور مولانا ادریس کاندھلوی نے والد کے ترکہ میں اور سفر مدینہ کی معیت میں ان کا ذکر کیا ہے۔[27] مولانا مودودی نے والدہ کے انتقال کے ضمن میں ان کا ذکر کیا ہے۔[28]

ام ایمن چونکہ آپ ﷺ کو اپنے والد کے ترکہ میں ملی تھیں لہذا وہ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے گھر میں موجود تھیں منطقی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمات کے لئے روز اول سے مامور تھیں اور آپ ﷺ کی دیکھ بھال آپ ﷺ کی والدہ کے ساتھ کرتی تھیں۔

- **ام ایمن کا مقام ابواء سے آپ ﷺ کو تنہا مکہ لانا**

اس نقد کے دو حصے ہیں وہ لکھتے ہیں:

مشہور روایات میں وضاحت ہے کہ حضرت ام ایمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تن تنہا ابواء سے مکہ مکرمہ دادا کے پاس لائی تھیں۔ اور جناب عبدالمطلب ہاشمی اس سفر میں شریک نہیں تھے بلکہ وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور صرف والدہ ماجدہ اور حضرت ام ایمن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کا سفر فرمایا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔[29] اسی کے ذیل میں اس سفر کے محرک کا بیان ہے۔؟ ایک خیال یہ ہوا کہ وہ بنو عدی بن نجار کے نام نہاد رشتے داروں سے ملاقات و زیارت کے لیے خود بھی تشریف لے گئیں اور اپنے بچے کو بھی لے گئیں۔ دوسرا خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بی بی آمنہ کو اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کا شوق ہوا اور وہ اس غرض سے یثرب گیئں۔

ماخذ قدیم میں ابن سعد کا بیان ہے کہ والدہ آپ ﷺ کو مدینے ان ننھیال نبی عدی بن النجار میں لے کر چلیں کہ ان سے مل لیں اور ان کے ساتھ ام ایمن تھیں۔ اور والدہ کے انتقال کے بعد وہی ان کو مکہ لائیں۔[30] ابن ہشام نے ام ایمن کا ذکر سرے سے ہی نہیں کیا تاہم سفر کا محرک لکھا ہے کہ والدہ ولدہ اپنے کنبہ نبی نجار کے پاس گئیں تھیں۔[31] ابن کثیر نے لکھا ہے کہ والدہ مدینہ میں بنی عدی بن نجار کے ہاں ماموؤں کی ملاقات کے لئے لے گئیں۔ اور واقدی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ام ایمن ہمراہ تھیں۔[32]

ادریس کاندھلوی نے صرف مدینہ کا قصد لکھا ہے اس کا محرک بیان نہیں کیا۔ اور واپسی میں مکہ ام ایمن آپ ﷺ کو لائیں اور آپ ﷺ کے دادا کے سپرد کیا۔ گویا دادا اس سفر میں ساتھ نہیں تھے۔[33]

مودودی نے بھی والدہ اور ام ایمن کا اس سفر میں ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ام ایمن ان کو مکہ لائی تھیں۔ اور سفر کے محرک میں دونوں موقف بیان کیے

ہیں کہ والد سے ننھیال سے بھی ملوایا اور والد کی قبر کی زیارت بھی کروائی۔[34]

اصح السیر میں صرف والدہ کا ذکر ہے کہ وہ مدینہ لے کر گئیں نا ام ایمن کا ذکر ہے نہ دادا کا۔ جبکہ محرک میں والد کا ننھیال کا تذکرہ ہے۔[35]

مولانا شبلی نے بھی دادا کا ذکر نہیں کیا صرف ام ایمن ساتھ گئیں اور وہی ان کو مکہ لے کر آئیں۔ جبکہ محرکِ سفر میں وہ اس موقف کی حمایت نہیں کرتے کہ والد کے ننھیال سے ملنے کے لئے لے گئیں ان کے نزدیک شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں۔[36]

صرف صفی الرحمن مبارکپوری نے بیان کیا ہے کہ ام ایمن اور دادا کے ساتھ سفر کیا تھا اور والد کے قبر کی زیارت وجہ لکھی ہے۔[37]

ڈاکٹر یسین کے مطابق جدید مورخین نے اپنے اصول ترجیح کے مطابق دو مختلف محرکات بتانے والی روایات میں سے کسی ایک کو اپنی پسند اور توجیہ عقل کے سبب ترجیح دی اور دوسرے کو مسترد کر دیا اور دونوں کے دلائل و براہین سے اسے ثابت کیا۔ لیکن اس بات پر کسی نے غور نہیں کیا کہ دو خواتین ایک چھ سالہ بچے کے ساتھ پانچ سو کلو میٹر دور کے شہر کا سفر اس مشکل زمانے میں کیوں کر سکتی تھیں؟ جب کہ اتنی طویل مسافت کے لیے تو مردوں کو بھی کارواں بنا کر چلنا پڑتا تھا۔ لہذا وہ اس بات پر بھرپور زور دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کی والدہ نے ہمراہ اس سفر میں ام ایمن کے علاوہ عبد المطلب بھی تھے۔ اس لئے کہ آپ کے دادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی والدہ دونوں کے کفیل تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ کے ساتھ مدینہ میں ننھیالی رشتہ داروں سے ملوانے کے لیے بھی دادا ہی لے کر جاتے تھے۔ مدینہ کے سفر میں آپ صلی اللہ وسلم اور آپ صلی اللہ وسلم کی والدہ کے ساتھ آپ کے دادا بھی شامل تھے اور ابواء میں بی بی آمنہ کے انتقال کے بعد دادا ہی آپ کو مکہ لائے تھے۔[38]

ابن سعد، ابن اسحق، ابن ہشام اور ابن کثیر نے زیارت مدینہ کا قصد رسول اکرم ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار بنو عدی بن النجار/خزرج سے ملاقات بتایا ہے جبکہ بلازری کی اپنی سند سے انفرادی روایت میں یہ بیان ہے کہ مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی اور ساتھ عبد المطلب اور ام ایمن بھی تھیں۔ ڈاکٹر یسین بااعتبار سند بلازری کی بجائے اکثریت کو صحیح قرار دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک بلازری کی روایت مجہول ہے۔ اور معلومات کی اعتبار سے ابن سعد کی روایت زیادہ مفصل قرار دیتے ہیں جبکہ بقیہ کی روایات ایک دوسرے کی نقل قرار دیتے ہیں سوائے بلازری کی انفرادی روایت کے۔

- **کفالت نبوی کی وصیت عبد المطلبی**

ابو طالب کو عبد المطلب کی وصیتِ کفالت کی روایت جو ابن اسحاق و ابن ہشام سے بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔[39] اسکے بارے میں دو گروہ ہیں۔ ایک نقطہ نظر ابن اسحاق و ابن ہشام اور ان کے پیروان کا ہے جبکہ دوسرا نقطہ نظر بلازری اور حلبی کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ابن اسحاق و ابن ہشام کی نقل کردہ روایت کو قبول کر کے شہرت دی گئی اور اتنی زیادہ کہ وہ متواتر روایت کا درجہ اختیار کر گئی۔ بلکہ اسی کو صحیح ترین روایت بنا دیا اور باقی روایات کو دانستہ یا غیر دانستہ مجروح بلکہ غلط قرار دیا گیا۔

اس وصیت کے ضمن میں قدیم ماخذ میں دیکھا جائے تو طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ دادا نے ابو طالب کو وصیت کی۔[40] تاریخ طبری میں ہے کہ سگے بھائی ہونے کی وجہ سے ابو طالب کو وصیت کی، ابن ہشام میں ہے کہ عبد المطلب نے ابو طالب کو وصیت کی کیونکہ وہ ان کے والد کے سگے بھائی تھے۔[41] ابن کثیر میں آتا ہے کہ ابو طالب والد کے بھائی تھے تو دادا نے ان کو وصیت کی۔[42]

اور جہاں تک ماخذ جدید کی بات ہے تو اصح السیر میں ہے کہ دادا کی وفات کے بعد ابو طالب نے خود کفالت میں لے لیا۔[43] سیرۃ النبی ﷺ اور الرحیق المختوم میں ہے کہ ابو طالب سگے بھائی تھے دادا نے ان کو وصیت کی۔[44] سیرت مصطفی میں بھی یہی بیان ہے اور لکھا ہے کہ ابو طالب ہی حقیقی اور عینی بھائی تھے۔[45] جبکہ سیرت سرور عالم میں دو موقف بیان کئے گئے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق دادا نے وصیت کی اور بعض کے مطابق ابو طالب نے خود کفالت میں لے لیا مگر تفصیلات بیان نہیں کیں۔[46] کم و بیش تمام سیرت نگار ابن اسحق والی روایت کے حامی ہیں۔

دوسری طرف بلازری کی روایت ہے جس کے مطابق عبد المطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنی تمام اولادوں کو رسول اکرم ﷺ کے بارے میں وصیت کی تھی۔ اور ان میں خصوصی کفالت کے ذمہ دار آپ ﷺ کے دونوں سگے چچا زبیر و ابو طالب تھے۔

ڈاکٹر یسین کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کی کفالت بالخصوص شفیق و کریم دادا عبد المطلب کی وصیت سے متعلق روایات کو لینے اور قبول کرنے کی بنیادی وجہ سہل نگاری اور ایک ماخذ سیرت پر تکیہ کر کے روایات نقل کر دینے کی عادت ہے۔ وہ دو وجوہات کی بنا پر بلازری کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ابن اسحق والی روایت میں "فیما یزعمون" آیا ہے جبکہ بلازری والی روایت بظاہر روایتی ضعف ہے کہ "قیل، یقال" کے فقرہ سے بیان کی گئی ہے۔ ان کے مطابق "زعم"، "قیل" یا "یقال" سے کم ضعف رکھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ابن اسحق والی روایت میں آدھا سچ بتایا گیا ہے کہ ابو طالب کو سگا چچا قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری میں پورا سچ ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں سگے چچا کا ذکر ہے۔

بہر حال ان کے نزدیک جناب عبد المطلب نے تمام فرزندوں کو دیکھ بھال کی عام وصیت کی اور جناب زبیر اور ابو طالب کو خصوصی وصیت فرمائی۔ دونوں آپ ﷺ کے والد مرحوم کے حقیقی چچا تھے اور دونوں ہی آپ ﷺ سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے۔ 8 سے 34 سال کی عمر تک یعنی 25، 26 برس دونوں چچا کی مشترک کفالت میں رہے حضرت زبیر کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب کو یہ تمغہ امتیاز ملا۔

- **روایت کفالت میں ایک سگے چچا کا تاثر**

مشہور روایت کفالت نے ابو طالب کو اس طرح سگا چچا قرار دیا ہے کہ وہی اکلوتے معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ان کے علاوہ بلکہ ان سے

پہلے زبیر بن عبد المطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے۔ جدید سیرت نگاروں میں سے بیشتر نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے۔[47]

مندرجہ بالا پیراگراف میں جہاں قدیم و جدید ماخذ کا بیان ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن سعد، ابن کثیر، ابن ہشام، ابن جریر، مولانا شبلی، مولانا مودودی، محمد ادریس کاندھلوی، عبد الرؤف دانا پوری، صفی الرحمن مبارکپوری میں سے کسی نے بھی حضرت زبیر کا ذکر نہیں کیا جس سے ڈاکٹر یسین کا نقد درست ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یٰسین سیرت نگاروں کے اس طرز عمل کو "آدھا سچ" بیان کرنا قرار دیتے ہیں۔

- **رضاعت بطور پیشہ**

بعض قدیم اور جدید سیرت نگاروں نے رضاعت کو بطور پیشہ نفرت انگیز اور ملامت آگمیں پیشہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔[48]

مشہور ماخذ میں شبلی نعمانی، مولانا مودودی، ادریس کاندھلوی، عبدالرؤف داناپوری، صفی الرحمن مبارکپوری ان سب کے نے اپنی کتب میں عربوں یا شرفائے مکہ کا دستور قرار دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو رضاعت کے لئے رضاعی ماؤں کے حوالے کرتے تھے۔ [49]ابن کثیر نے بھی روایات ہی بیان کی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کا ہاں ایسا تاثر نہیں ملتا کہ جس سے اس پیشہ کو نفرت انگیز قرار دیا جائے سوائے امام سہیلی کے جسے مولانا شبلی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ رضاعت کی اجرت لینا عرب میں اکثر خواتین کے نزدیک قابل ستائش نہیں تھا۔ حتیٰ کہ عرب میں یہ مقولہ ضرب المثل بن گیا: **تجوع المراۃ و لا تاکل بثدییھا** ۔ لیکن بعض عورتیں اسے قابل مذمت نہیں سمجھتیں۔[50]

اس قول کی بنا پر سہیلی نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا اس لئے مجبورا حضرت حلیمہ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ حالانکہ تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لئے آیا کرتی تھیں۔ ان کے خیال میں اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا۔ یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ [51]لیکن ڈاکٹر یٰسین کا موقف اس کے برعکس ہے وہ لکھتے ہیں کہ شہروں میں بھی رضاعت اسی طرح ہوتی تھی جیسے دیہاتوں میں۔

ڈاکٹر یٰسین نے نقد کرتے ہوئے عمومی تبصرہ تو کیا ہے مگر نشاندہی نہیں کی کہ کونسے سیرت نگاروں نے رضاعت کو نفرت انگیز قرار دیا ہے۔ وہ اسے عربی خواتین کا مستقل پیشہ قرار دیتے ہیں۔ زمانہ قدیم سے عرب سماج میں پیشہ ور مرضعات کا ایک طبقہ ہر علاقے میں چلا آتا تھا۔ دودھ پلا کر اپنے رضاعی بچوں کے سرپرستوں سے عطایا حاصل کرنا ایک معزز اور محبت بھرا کام تھا۔ جو متعدد خاندانوں اور قبیلوں کو رضاعی بچوں کے ذریعے محبت والفت، اتحاد و تعاون کے رشتوں میں باندھ دیتا تھا۔ یہ قدیم پیشہ عہد اسلامی اور عہد نبوی میں بھی جاری رہا اور رضاعی ماؤں کا ایک طبقہ ان کے ذریعہ آمدنی پاتا رہا۔

- **مال غنیمت مالی خوشحالی کا سبب**

مال غنیمت سے متعلق سیرت نگاروں کی تحریروں پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجموعی طور سے تمام مورخین اسلام اور سیرت نگار ان خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، مغربی ہو یا مشرقی، قدیم ہوں یا جدید، اس حقیقت پر متفق نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلامی فوجی مہموں سے مال غنیمت حاصل کیا تھا اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی مالداری اور ان کی بہتر معاشی حالت میں حصہ لیا تھا ، چاہے یہ مالداری اور بہتری بڑے پیمانے پر ہوئی ہو یا نسبتاً چھوٹے پیمانے پر۔ مختلف غزوات اور سرایا میں مال غنیمت کے حصول کے حوالے سے تقریباً تمام قدیم و جدید مورخین نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے"۔[52]

اس تصور کی حمایت میں مستشرقین اور جدید مورخین کا ایک اور دعویٰ ہے کہ بعد از ہجرت مفلس و نادار مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کے مدینہ منتقل ہونے سے یہاں کی معیشت پر ناقابل برداشت بوجھ پڑا تھا۔ جو پہلے ہی سے خاصی نحیف و نزار اور خستہ و خراب تھی۔ اس لیے غزوات و سرایا کے ذریعے مال غنیمت حاصل کرنے کا عربوں کا قدیم طریقہ اپنایا گیا۔

مصادر میں اس کے متعلق جائزہ لینے سے قدیم اور جدید ماخذ میں سے ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن کثیر، محمد ادریس کاندھلوی، عبدالرؤف داناپوری، صفی الرحمن مبارکپوری، وغیرہ نے مال غنیمت کے اقتصادی پہلو کے حوالے سے کچھ خاص نہیں لکھا۔ بیشتر نے تو اس موضوع کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ کسی نے اگر لکھا بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہر

غزوہ کے اختتام پر اس میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کی مجموعی مالیت کو لکھ دیا ہے۔ اسکی تقسیم، اس کے معاشی خوشحالی پر اثر انداز ہونے کے حوالے سے بحث نہیں کی۔ تاہم مولانا شبلی کے ہاں یہ تبصرہ ملتا ہے کہ
"لڑائیوں کا اصل بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی۔ اس لئے عرب عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش میں سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے۔"[53]

ڈاکٹر یٰسین مندرجہ بالا دونوں تصورات/دعوؤں کو در کرتے ہوئے تفصیلی دلائل سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مال غنیمت میں مسلمانوں کی اقتصادی خوشحالی یا مالداری میں کوئی خاص حصہ نہیں ڈالا تھا۔[54] وہ مندرجہ بالا دو دعوؤں میں پائے جانے والے نقص کو درج ذیل دلائل سے واضح کرتے ہیں:

1۔ سارے مہاجرین نادار نہیں تھے، کئی بہت مالدار تھے۔

2۔ مدنی معیشت خوشحال اور مستحکم تھی۔ خاصی بڑی آبادی ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی مگر دعویداروں کے مطابق تو اولین مہاجرین کی تعداد محض سو سوا سو نفوس پر مشتمل تھی۔ مدنی معیشت اتنی خراب اور خستہ نہ تھی بلکہ اتنی مستحکم تھی جو باآسانی کئی سو نفوس کے مصارف برداشت کر سکتی تھی۔

3۔ مدنی معیشت کو خراب وخستہ حال کہنے کا نظریہ غلط تعبیرات اور خام نظریات بلکہ فاسد تصورات پر مبنی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قبائلی جنگوں خاص کر اوس اور خزرج کی باہمی چپقلش نے اس پر خاصے اثرات بد ڈالے تھے لیکن مدینہ میں تجارت وزراعت اور دوسرے وسائل کے ذریعے اتنی دولت موجود تھی کہ ان کی بیشتر آبادی کی بخوبی کفالت کر سکتی۔ غربت وافلاس اور عارضی پریشانی تو ہر جگہ ہوتی ہے اور وہ بعض مدنی طبقات میں بھی تھی۔

4۔ پھر اس دعویٰ کا سب سے بڑا رد وہ اس حقیقت سے کرتے ہیں کہ پہلے 18 ماہ یعنی ڈیڑھ سال تک مسلمانوں کے ہاتھ تو کوئی مال غنیمت نہیں لگا تھا اس کے باوجود مسلمانوں کی گزر بسر ہو رہی تھی۔ پھر جب سریہ نخلہ اور غزوہ بدر میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا وہ صرف تقریباً 350 افراد کے کام آیا اور اس کی مجموعی حیثیت خواہ کچھ بھی رہی ہو مگر انفرادی مالیت فی کس محض 80 یا زیادہ سے زیادہ 100 درہم تھی۔

ظاہر ہے بعد از ہجرت پہلے 18 مہینوں میں پوری مدنی مسلم آبادی نے اپنے ذرائع ووسائل سے اپنی ضروریات کو پورا کیا تھا۔ یہ ذرائع ووسائل خواہ انصار کرام کی بے مثال سخاوت، بے لاگ اخوت، بے نظیر مہمان نوازی پر مشتمل ہوں یا یا مہاجرین کے اپنے دست وبازو کی کارکردگی پر۔ یا انہوں نے محض روکھی سوکھی کھا کر گزارا کیا ہو، لیکن ان کی رزق رسانی میں اموال غنیمت نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

5۔ ایک بہت اہم نکتہ اموال غنیمت کے تعلق سے یاد رکھنے کا یہ ہے کہ ان سے صرف ان مسلمانوں کو اور ان کے ذریعے ان کے اہل وعیال اور دوسرے متعلقین کو فائدہ پہنچا تھا جو غزوات وسرایا میں شریک ہوئے تھے۔ باقی مسلم آبادی کو فیض پہنچتا تھا تو محض ریاست سے۔ مگر اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وہ نادار اور مفلس وغریب ومحتاج ہوں۔ باقی مسلم آبادی نے جس نے ان غزوات وسرایا میں شرکت نہیں کی تھی کہاں سے اپنا رزق اور دوسری ضروریات کے لیے رقم حاصل کی تھی؟ ظاہر ہے کہ اپنے ذرائع اور وسائل سے۔

6۔ غزوات وسرایا اور ان سے حاصل شدہ مال غنیمت سے متعلق دوسرا عامل جس کو تمام مشرقی اور مغربی مورخین دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی تمام فوجی، نیم فوجی، سیاسی، مذہبی اور تبلیغی مہموں کی ترتیب و

تنظیم پر کافی مصارف برداشت کیے تھے۔ مجاہدوں کے ضروری ہتھیار، کپڑے، کھانے پینے اور دوسرے سامان رسد، ذرائع نقل و حمل، چارے اور دوسرے متعدد امور پر کافی بڑی رقمیں خرچ کی تھیں۔ خواہ یہ خرچ انفرادی مجاہدوں کے کندھوں پر پڑا ہوں یا اسلامی ریاست کے دوش پر رہا ہو۔ بہر حال امت مسلمہ نے ان اخراجات کو برداشت کیا تھا۔ اگر اموال غنیمت آمدنی کی زمرہ میں آتے ہیں تو غزوات و سرایا پر اٹھنے والے مصارف خرچ کے زمرہ میں شمار کرنے چاہئیں۔

7۔ اگر آمدنی اور نقصان کا باہمی تناسب دیکھا جائے تو غزوات اور سرایا میں حاصل ہونے والے منافع کا پلڑا ان کے نقصانات کے پلڑے سے خاصا ہلکا نظر آتا ہے بلکہ آمدنی صفر ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر ان مصارف اور اخراجات کو بھی اگر جوڑ لیا جائے جو مسلمانوں نے مدنی حیات نبوی کے دس سالہ زمانے میں اپنی مہمات کے سلسلے میں برداشت کیے تھے، تو مال غنیمت کی آمدنی ان کے مقابلے میں صفر سے اور نیچے پہنچ جاتی ہے۔ صرف غزوہ تبوک کے مصارف ثابت کرتے ہیں کہ وہ دس سالہ مہم جوئی سے حاصل شدہ منافع سے زیادہ نہ تھے تو کم بھی نہ تھے۔

8۔ فوجوں کی تیاری، سامان رسد کی فراہمی اور آلات حرب کی حصول اور دوسرے متعدد قسم کے اخراجات کے علاوہ مسلمانوں کو اپنی دس سالہ جنگجوئی کے زمانے میں مختلف قسم کے دوسرے اخراجات و مصارف بھی برداشت کرنے پڑے تھے اور یہ مصارف و اخراجات مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم دشمن کے سبب برداشت کیے تھے یا دشمن کے ہاتھوں اپنے اموال و آراضی پر حملوں کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کی صورت میں اٹھائے تھے اس کے علاوہ قیدیوں پر مصارف الگ سے شامل ہیں۔[55]

الغرض یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوات و سرایا سے خاصی دولت ملی، نقد و جنس کی صورت میں بھی اور آراضی و اموال کی شکل میں بھی۔ اور یہ بھی اجاگر ہوتا ہے کہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں کو اپنی مہمات پر کافی مصارف کرنے پڑے اور جانی، مالی، مادی اور مختلف دوسرے اقسام کے نقصانات اٹھانے پڑے۔ نفع و نقصان کے اس میزانیہ میں پلہ کسی کا بھی جھکے، یہ بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ صرف نفع ہی نفع نہیں ہوا تھا بلکہ نقصانات اور مصارف نے نفع کو خاصا کم کر دیا تھا ۔[56] یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مال غنیمت نے بہر حال مسلم معیشت کے فروغ و توسیع میں حصہ لیا تھا۔ رہی اس کے باہمی تناسب کے بات تو باآسانی اسے صرف 2 فیصد مانا جاسکتا ہے۔ باقی 98 فیصد آمدنی پرامن وسائل رزق سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ کوئی ریاضیاتی یا پکی حسابی تقسیم نہیں ہے۔ دو چار فیصد ادھر ادھر کرنے سے مجموعی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی اصل آمدنی کے ذرائع اور وسائل پرامن تھے۔[57]

- **مکی معیشت نبوی کو فکر و فاقہ پر منحصر قرار دینا**

عموماً مکی معیشت نبوی کو فقر و فاقہ پر منحصر قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مکی معاش نبوی کے بارے میں بالعموم دو نقطہ نظر سامنے آتے ہیں اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی نتیجہ پر اتفاق ہے۔ ایک نظریہ مستشرقین اور ان کے پیرو کار و شاگرد جدید مورخین کا ہے۔ جس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک کمزور معاشی طبقہ سے تھا۔ کیونکہ ان کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو ہاشم کے جس خاندان سے تعلق تھا وہ سماجی لحاظ سے بھی کمزور تھا۔ ان کے اس نظریہ کے پیچھے یہ خیال کارفرما ہے کہ معاشی اور اقتصادی خوشحالی نہ صرف سماجی مرتبہ ومقام کی ضامن ہوتی ہے بلکہ معاشرتی شرف و عزت کا نشان بھی ہوتی ہے۔

دوسرا نقطہ نظر ہمارے بیشتر مسلمان اور مشرقی سیرت نگاروں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نسبی اور معاشرتی اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے فرد تھے۔ لیکن متعدد اسباب سے جن میں آپ صلی اللہ وسلم کی زندگی میں یتیمی اور یسیری کو خاص اہمیت بلکہ بنیادی حیثیت حاصل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی۔ بلکہ بعض حضرات کے ہاں کچھ ایسا تاثر پایا جاتا ہے کہ اقتصادی ابتری منشائے الٰہی کا سبب تھی۔ اس نقطہ نظر کے پس پشت وہ راہبانہ خیال وعقیدہ کارفرما ہے کہ دولت مندی یا خوشحالی معیار تقوی اور میزان طہارت پر صحیح نہیں تلتی بلکہ وہاں فقر وفقہ کا وزن اور ان کی قیمت تولی جاتی ہے۔ یہ نقطہ نظر وضاحت سے یا مضمر طور سے تقریباً تمام مسلمانوں مورخین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

ان دونوں نظریات کا حاصل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی حالت شروع سے کمزور تھی اور وہ چند مراحل کے سوا فقر وفاقہ کی زندگی میں ڈھلتی گئی۔"[58]

ڈاکٹر یسین پہلے نقطہ نظر کی مثال میں ڈی ایس مارگولیتھ کا بیان درج کرتے ہیں جو ان کی کتاب Muhammad and the Rise of Islam" "کے صفحہ 47 میں لکھا ہے کہ "محمد ﷺ ایک بے وقار خاندان سے تھے۔" اس بات کی بھرپور تردید مولانا شبلی نے اپنی کتاب میں کی ہے۔

جبکہ دوسرے نقطہ نظر کے حامی افراد میں ڈاکٹر صاحب مولانا مودودی، علامہ عبداللہ یوسف علی، نور محمد غفاری، نعیم صدیقی کے بیانات کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ یہ دوسرا نظریہ تو پوشیدہ یا اعلانیہ تقریباً بیشتر مسلم سیرت نگاروں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ جیسے مولانا مودودی نے "غربت سے زندگی کی ابتداء" کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غریبانہ زندگی کا ذکر کیا ہے۔[59]

ڈاکٹر یٰسین مختلف دلائل سے اس کا رد کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ آپ ﷺ کو والدین سے ملنے والے ترکہ پر بحث کرتے ہوئے اس بات کا رد کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کی ابتداء غربت سے نہیں ہوئی تھی۔ مختلف ماخذ سیرت ابن اسحاق، ابن ہشام، بلاذری، ابن کثیر، شبلی نعمانی، مولانا مودودی اور صفی الرحمن مبارکپوری میں بیان کردہ آپ ﷺ کے ترکہ کا حوالہ دیتے ہیں جس کے مطابق ایک باندی ام ایمن، 5 اراک کھانے والے اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ شامل ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے قرائن و روایات کا ذکر بھی کرتے ہیں جن سے والدین کی منقولہ جائیداد ملنے کا بھی ثبوت ہے۔ جس میں آپ ﷺ ہجرت تک قیام فرماتے رہے۔

مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے آخری تجارتی سفر شام کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہ صرف ان کے ہر سفر تجارت کا مال اور نفع ان کے یتیم ویسیر فرزند کے حصہ میں آیا ہوگا بلکہ ان کی تجارت سے حاصل کردہ نقد وجنس پر مشتمل کمائی بھی ملی ہوگی۔ جس کی تائید بعض اور روایات اور قرائن سے ہوتی ہے۔[60] اگرچہ جدید مورخین وسیرت نگاروں میں سے بیشتر نے سامان تجارت کا میراث پدری میں ذکر نہیں کیا ہے۔

بہرحال یہ واضح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ وسلم کو والدین کی وراثت سے اچھا خاصا سامان اور غیر منقولا مکان ملا تھا۔ وہ خوشحالی کے لئے کافی نہ تھا۔ تاہم بقدر کفاف تھا اور ضروریات کے لئے کافی تھا۔ پھر والدہ کی پرورش، جد امجد اور اعمام نبوی کی کفالت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کی کمائی اور تجارت تھی۔ اسی تجارت نے آپ کو بقدر کفاف سے اوپر اٹھا کر "غنا" کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ بعد میں حضرت خدیجہ کی دولت وتجارت نے آپ کی اپنی تجارت سے مل کر آپ کو مادی فراغت نصیب کرتی تھی۔[61]

روایات کے مطابق بعثت سے قبل ہر سال حج کرنا، ہر سال رمضان میں غار حرا میں مراقبہ کے بعد طواف کعبہ اور بلاناغہ مساکین کو کھانا کھلانا، جود و سخا، مہمانداری، کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک، ناداروں کی امداد جس کا اظہار اولین وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کیا، حضرت علی کی کفالت، حضرت خدیجہ سے شادی کے موقع پر سسرالی رشتہ داروں کو لباس پہنانا اور حضرت خدیجہ کو بیس اونٹنیاں مہر دینا، ہجرت مدینہ کے قریب حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح کے وقت 400, 500 درہم مہر کی ادائیگی, آپ کے مکی غلام حضرت زید بن حارثہ اور ان کو آزاد کرنے کے بعد ان کی شادی اور ان کے پورے خاندان کی کفالت، دیگر غلام ابو کبشہ، انسہ، صالح شقران اور سفینہ، ان کی خریداری اور پھر آزاد کر دینے کے بعد ان کی کفالت یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش حال اور اور متمول ہونے کا پتا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر یسین کے بیان کردہ دلائل و قرائن اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ مکہ میں فقر و فاقہ کی نہیں بلکہ ایک متمول اور دولت مند حیثیت سے رہتے تھے۔

الغرض ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے اپنی کتب میں جابجا ایسے سیرت النبی سے متعلق مروج غلط خیالات و نظریات کی بیخ کنی ہے۔ بہت سے ایسے واقعات و معاملات ہیں جو بادی النظر میں بہت مشہور اور درست ہیں لیکن ڈاکٹر یسین نے اپنی تحقیقات سے ان کو غلط ثابت کیا۔ انہوں نے ان واقعات کے حوالے سے اپنے دلائل پیش کیے جن کو نظرانداز کرنا یا جھٹلانا بہت مشکل نظر آتا ہے کیونکہ وہ دلائل ایسے بین اور عام فہم ہیں کہ عام آدمی بھی ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

---

1 صدیقی، یسین مظہر، تاریخ تہذیب اسلامی (عہد جاہلی اور عہد نبوی)، انسٹیٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، جامع نگر نئی دہلی، 1994، 1:7

2 ایضا، رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں، گنج شکر پریس، اردو بازار لاہور، ص ۴۰

3 داناپوری، ابوالبرکات عبدالرؤف، اصح السیر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، ۱۹۸۲، ص۶؛ کاندھلوی، محمد ادریس، سیرت مصطفیٰ، مکتبہ عثمانیہ، جامع اشرفیہ، لاہور، ۱۹۸۵، ۱:۶۹

4 مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ص ۸۴

5 مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲:۹۶

6 شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۱:۱۱۵

7 رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں، ص ۹۴

8 ۔صدیقی، یسین مظہر، معاش نبوی، کتب خانہ سیرت، کراچی، ۲۰۱۵، ص ۲۹

9 ایضا، ص ۱۳۰

10 ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین، سیرۃ النبی، مکتبہ قدوسیہ اردو بزار لاہور، ۱:۱۵۷

11 ابن خلدون، عبدالرحمن، علامہ، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۱:۳۳، حاشیہ ۱

12 ابن ہشام، سیرت النبی، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، 1989، 1:109

13 الرحیق المختوم، ص ۸۴؛ سیرت مصطفیٰ، ۶۸:۱؛ اصح السیر، ص ۶؛ سیرۃ النبی، ۱۱۵:۱؛ سیرت سرور عالم، ۲:۹۶

14 الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل، بخاری، کتاب النکاح، باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۹۹۰، الجزء ۵، رقم الحدیث: ۴۸۱۳

15 ایضا، کتاب النفقات، باب المراضع بن الموالیات وغیرھن، الجزء ۵ رقم الحدیث ۵۰۵۷

16 صدیقی، یسین مظہر، نبی اکرم ﷺ اور خواتین ایک سماجی مطالعہ، میٹروپرنٹرز لاہور، 2011، ص 7

17 ابن سعد، ابوعبداللہ، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۱۵۵:۱

18 سیرۃ النبی، ۱۰۹:۱-۱۱۰؛ سیرۃ النبویۃ، ۱۵۸:۱

19 اصح السیر، ص ۶

20 سیرت مصطفیٰ، ۷۰:۱؛ سیرت سرور عالم، ۲:۹۶

21 الرحیق المختوم، ص ۸۴

22 رسول اکرم ﷺ کی رضاعی مائیں، ص ۹۹

23 صدیقی، یسین مظہر، حضرت ام ایمن - رسول اکرم ﷺ کی انا، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، ۲۰۱۳، ص ۸

24 طبقات ابن سعد، ۸:۳۰۶، ۳۰۸

25 الرحیق المختوم، ۸۷

26 اصح السیر، ص ۵۶۳

27 سیرۃ النبی، ۱۱۳:۱-۱۱۷؛ سیرت مصطفیٰ، ۴۶:۱

28 سیرت سرور عالم، ۲:۹۹

29 حضرت ام ایمن - رسول اکرم ﷺ کی انا، ص ۹

30 طبقات ابن سعد، ۱۶۳:۱

31 سیرۃ النبی، ۱۱۴:۱

32 سیرۃ النبی، ۱۶۴:۱

33 سیرت مصطفیٰ، ۸۵:۱-۸۶

34 سیرت سرور عالم، ۲:۹۹

35 اصح السیر، ص ۷

36 سیرۃ النبی، ۱۱۷:۱

37 الرحیق المختوم، ص ۸۷

38 صدیقی، یسین مظہر، عبدالمطلب ہاشمی رسول اکرم ﷺ کے دادا، دارالنوادر، اردو بازار لاہور، ص ۷۵

39 ۔ایضا، خطبات سیرت (مصادرِ سیرت کا تجزیاتی مطالعہ) ادارہ تحقیقات اسلامی، بین القوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص ۱۶۲؛ خطبات سرگودھا، ص ۷۵

40 طبقات ابن سعد، ۱۶۶:۱

41 تاریخ طبری، ۵۸:۱؛ سیرۃ النبی، ۱۱۵:۱

42 سیرۃ النبی، ۱:۱۶۷

43 اصح السیر، ص ۷

44 سیرۃ النبی، ۱۱۸:۱؛ الرحیق المختوم، ص ۸۸

45 سیرت مصطفٰی، ۱:۸۷

46 سیرت سرورعالم، ۱:۱۰۱

47 عبدالمطلب ہاشمی رسول اکرم ﷺ کے دادا، ص ۸۱

48 صدیقی، یسین مظہر، نبی اکرم ﷺ اور خواتین-ایک سماجی مطالعہ، میٹروپرنٹرز، لاہور، ص ۱۴۹

49 السیرۃ النبی، ۱۱۵:۱؛ سیرت سرور عالم، ۹۶:۲؛ سیرت مصطفٰی، ۶۹:۱؛ اصح السیر، ص ۶؛ الرحیق المختوم، ص ۸۴

50 سیرۃ النبی، ۱۱۶:۱، حاشیہ ۱

51 ۔ شبلی نعمانی-سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۱:۱۱۶، حاشیہ (۱)

52 صدیقی، یسین مظہر، غزوات نبوی کی اقتصادی جہات، ادارہ مطالعات اسلامی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۹

53 ۔ سیرۃ النبی، ۱:۳۴۴

54 غزوات نبوی کی اقتصادی جہات، ادارہ مطالعات اسلامی، ص ۹۰-۹۳

55 ایضا، ص ۹۷

56 ایضا، ص ۱۰۱

57 ایضا ص ۱۱۱

58 معاش نبوی، ص ۲۴-۲۵

59 سیرت سرورعالم، ۹۵:۲

60 معاش نبوی، ص ۲۸

61 ایضا، ص ۵۰